Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

Two Representative Protest Voices Of Modern Urdu Fiction: Shmuel Ahmed And Abdul Samad

جدید اردو افسانے کی دو نمائندہ احتجاجی آوازیں: شموئل احمد اور عبد الصمد

[1]Dr. Parveen Kallu1
[2]Dr. Saira Irshad
[3]Dr. Muhammad Rahman* -Email- drmrehman75@gmail.com
[1]Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
[2]Assistant Professor, Urdu Department Government Sadiq College Women University Bahawalpur
[3]Assistant Professor Urdu Department Hazara Univetsity Mansehra.

Article Details:

Received on 20 May, 2026
Accepted on 27 May ,2026
Published on 03 June, 2026

Corresponding Authors*:
Dr. Muhammad Rahman*

Abstract

Shmuel Ahmed's short stories contain a strong protest against the internal defeat of modern man, social chaos and moral decline. In his short stories, protest is not just a slogan but an intellectual and psychological state. He presents the artificiality of urban life, class differences, sexual confusion and the breakdown of human relationships in a deeply symbolic way. In his short stories, the individual is seen living in a society where values have been broken and man is suffering from loneliness, fear and insecurity. Shmuel Ahmed uses symbols, abstraction and internal dialogue in his style, which makes his protest more effective and multifaceted. In Abdul Samad's short stories, protest is mostly prominent at the political, social and cultural levels. He especially made the problems of Indian Muslims, identity crisis, sectarianism, poverty and exploitation the subject of his short stories. In Abdul Samad, protest comes out in a realistic way. He describes the lives of the deprived sections of society, their sufferings and social injustices in an unbiased manner. His stories force the reader to think about how man is fighting for his identity and dignity in modern society. Both Shmuel Ahmed and Abdul Samad are important protest storytellers of modern Urdu fiction, but their style of protest differs. Shmuel Ahmed's protest is more psychological, symbolic and internal in nature, while Abdul Samad's protest is linked to social realism and political consciousness.

Key Words: Shmuel Ahmed, Abdul Samad, Psychological, Muslims, Identity crisis, Sectarianism, Poverty, Political consciousness.

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

اردو افسانے کی قریب اڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نے مختلف تحریکات اور رجحانات تلے اپنے موضوعات پر کامہ فرسائی کی۔ اگر اس میں ترقی پسند تحریک کے بعد احتجاجی رویہ آیا تو اس میدان میں بھی یہ کسی اور صنف سے پیچھے نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ احتجاج ہمارے معاشرے کا لازمی جزو ہے اور اسی وجہ سے ہمارے ادب کی مرکزی روایت میں شامل ہے۔ مزاحمتی ادب بھی تب جنم لیتا ہے جب معاشرہ ناانصافی اور استحصالی رویوں کی وجہ سے زوال آمادہ ہو۔ اس لیے شاعر و ادیب ارد گرد کے مسائل اور ہم عصر صورتِ حال سے اپنا چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادیب اپنے عصری مسائل کے خلاف احتجاجی رویہ اپنا کر اس جبر و استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔

اردو افسانے میں احتجاج کے حوالے سے بات کی جائے تو جدید افسانے میں یہ رویہ زیادہ دیرپا اور مضبوط انداز میں سامنے آیا ہے۔

شموئیل احمد اردو افسانے اور ناول دونوں میں اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں اکثر و بیش تر جنسی و نفسیاتی بے راہ روی کے مضبوط حوالے ملتے ہیں۔ ساتھ ساتھ انھوں نے استحصال کی مختلف حیثیات کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ جبر و تشدد کے حوالے سے بھی ان کے افسانے اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں احتجاجی رویہ ملتا ہے۔ وہ سیاسی بدعنوانی کے موضوع پر بھی لکھتے ہیں۔ غرض انھوں نے عصرِ حاضر کے بیش تر مسائل کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ ان کے حوالے سے وہاب اشرفی یوں رقم طراز ہیں :

> "شموئیل احمد کو نہ جدید افسانہ نگاری کی صف میں رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ترقی پسندوں کے۔ ان کے بعض افسانوں کا مطالعہ ان کی اپنی نشاندہی کر رہا ہے جس سے تقویت ہوتی ہے کہ ہمارے افسانہ نگار تتبع اور نقل نیز ہر طرح کی ازم کے دائرے سے نکل کر اپنی سوچ اور فکر فنکارانہ اور آزادنہ طور پر پیش کر سکتے ہیں۔"(۱)

غرض ان کے ہاں ہر موضوع کے حوالے سے انصاف ملتا ہے۔ ان کے ہاں جنس اور نفسیاتی دونوں حوالوں سے بھرپور معنویت ملتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں جنس کا اظہار جنسی تلذذ نہیں بلکہ ایک انسانی نفسیات کو مدِ نظر رکھ کر کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جنس بھی انسانی جبلت کا سب سے اہم رکن ہے جس کے بنا کوئی چارہ نہیں۔ ان کی اس حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقبال حسن یوں لکھتے ہیں :

> "شموئل احمد کے یہاں سیکس کا اتنا بھدا اور بھونڈا پاریخت اظہار نہیں ملتا ہے۔ وہ یہاں بھی اپنا اختصاص برقرار رکھتے ہیں اور اپنی بات عمدگی اور سلیقے سے کہہ جاتے ہیں کہ قاری کی جبلی رال تو ٹپک ہی جاتی ہے مگر شموئل احمد کسی فرقت میں نہیں آتے۔"(۲)

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جنسی موضوعات کو بڑی چابک دستی کے ساتھ اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر عصرِ حاضر کے اس سلگتے ہوئے مسئلے کو سامنے لانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ان کے کئی افسانوں میں یہ موضوع اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ جیسے "کاغذی پیرہن"، "جھاگ"، "سنگھاردان"، "بگولے" اور "برف میں آگ" وغیرہ۔ یہ افسانے ایسے ہیں جن میں

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

شموئل احمد نے معاشرے کی کھوکھلی ریاکاری کا بھرپور مذاق اڑایا ہے۔ ساتھ ساتھ انھوں نے جنسی بے راہ روی کی بھی بھرپور مخالفت کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں دیگر مسائل کے ساتھ اس نفسیاتی مسئلے کو جہ سے بھی بڑے اسکینڈل سامنے آرہے ہیں۔ اس قسم کے افسانوں میں انھوں نے عورت کی انانیت کو بھرپور طریقے سے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ طوائف کی معاشرے میں حیثیت بھی ان کے ہاں اپنی پوری توانائی کے ساتھ ملتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے بھی معاشرے میں سیکس بڑھ رہا ہے جو آج کے دور کا ایک المیہ ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "سنگھاردان" کا شمار موصوف کے بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ افسانے میں افسانہ نگار نے سنگھاردان کی کہانی بیان کی ہے کو ایک طوائف کی ملکیت تھی جسے برج موہن نامی لٹیرے نے فساد کے دوران اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ اس سنگھاردان کے ذریعے افسانہ نگار نے طوائفوں کے کلچر و ماحول کی عکاسی کی ہے جس میں طوائف نسیم جان کی جان ان کی ہوئی ہے اور جو اس کا کل اثاثہ بھی تھا۔ "کاغذی پیرہن" میں افسانہ نگار نے شوہر اور بیوی کے مقدس رشتے کی تصویر کشی کی ہے۔ اس طرح جنسیات کے معاملے میں شموئل احمد نے اپنی ہنرمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی انفرادیت کو بھی ثابت کر دیا ہے لہذا جو ان کا موازنہ منٹو سے کرتے ہیں وہ دراصل ان کی تخلیقات کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتے۔ دونوں کا معیار الگ اور اہم ہے۔"(۳)

شموئل احمد کے ہاں سیاست پر بھی خامہ فرسائی ملتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آج کل ہر فرد سیاست کے ساتھ منسلک ہے۔ اس لیے سیاست سے دلچسپی ہر خاص و عام میں پائی جاتی ہے۔ ان کی سیاسی بصیرت ان کے افسانوں میں پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ انھوں نے بڑی بے باکی کے ساتھ سیاست پر بحث کی ہے۔ سیاسی حالات کے حوالے سے وہ طنز و تشنیع کے تیر چلاتے ہیں۔ اس طرح وہ بلواسطہ یا بلاواسطہ طنز کرنے سے نہیں چوکتے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ان کے ابتدائی دور کے افسانے سیاست پر طنز کی ردا میں لپٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ اپنی بات کہنے میں مکمل طور پر کامیاب ہیں اور کہیں بھی بھی جذباتی ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے جب کہ سیاست ایک ایسا مکروہ شعبہ ہے جس پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے بہت سے فنکار جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور افسانویت مجروح ہو جاتی ہے۔ شموئل احمد نے جب افسانہ نگاری کی ابتدا کی تو سیاسی حالات اور اس کے نتیجے میں زبوں حالی کا ذکر شدید طور پر کیا۔"(۴)

ان کے ہاں سیاست کے ساتھ جڑے ہوئے واقعات کی پوری تفصیل سامنے آتی ہے اور اس میدان میں رسہ کشی کی مکمل تفصیل سامنے آتی ہے۔ ان کے خیال میں سیاست ایک جال ہے اس لیے سیاست دان اکثر اپنی شاطرانہ چالوں کے ذریعے عوام کو بے وقوف بناتے ہیں۔ وہ اپنی چالاکیوں اور چکنی چپڑی باتوں سے ان کے دل میں جگہ بناتے ہیں۔ اس طرح مختلف جعل سازیوں سے بھی کام لیتے ہیں اور اس طرح بھولے بھالے عوام کو پھنسا کر انتخابات میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ غرضیکہ وہ اپنی شاطرانہ چالوں سے عوام کو ہر طرح سے جکڑ لیتے ہیں۔ سیاست دانوں کی چال بازیوں کے حوالے سے ان کے شاہکار افسانوں میں "قصبہ کا

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

المیہ"، "مرگھٹ"، "القبوس کی گردن"، "بھاگ متی جب ہنستی ہے" اور "ٹیبل" وغیرہ۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اس دن اسمبلی میں جوتے چپلے تھے۔ سدا بادتی کے بعد کلیان سنگھ نے حکومت بنائی تھی۔ اس بات کا چرچہ تھا کہ جو بھی دل بدلی کر بی جی پی میں شامل ہوا منتری بن گیا۔ یہاں تک کہ عادی مجرم بھی منتری منڈل میں شامل تھے جن کا واجپئی کے پاس جواز تھا کہ ہر سادھو کا ایک ماضی ہوتا ہے اور ہر مجرم کا ایک مستقبل، اور یہ کہ کانگریس پیسے دے کر خریدے اور بی جے پی نے عہدہ دے کر۔"(۵)

شموئلا احمد کے ہاں بھی ایک رویہ ہوتا ہے کہ وہ سیاست اور جنس کے ملاپ سے ایک نیا منفرد موضوع بنا کر اس میں عصری شعور کی چاشنی پیدا کرے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جنس انسان کی جبلی خواہش ہے اس لیے اسے زمانہ قدیم سے تخلیقات میں شامل کیے جانے کی ضرورت تھی۔ مگر اب چوں کہ ہر موضوع پر بے دھڑک لکھا جا سکتا ہے اس لیے شموئل احمد کے ہاں یہ شجرِ ممنوعہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ سامنے آتا ہے اور جب اس کو سیاست کے ساتھ نتھی کیا جائے تو اس سے ایک منفرد پلاٹ کی کہانی سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسے اپنی کہانی کا حصہ بنانے کی جرأت کی ہے۔ ان کے افسانوں پر اگرچہ جنس نگاری کے حوالے سے جا بجا تنقید بھی ہوتی ہے مگر ان کا بھی منٹو کی طرح خیال ہے کہ اگر آپ کو میرے افسانے برے لگتے ہیں تو یہ میرا قصور نہیں۔ یہ قصور سماج کا ہے۔ آپ سماج درست کیجیے میرے افسانے خود بخود درست ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ شموئل احمد کے یہ خیالات اس وجہ سے درست ہیں کہ جو معاشرہ پیش کرتا ہے وہی تخلیق کاروں کے ہاں نمو پذیر ہوتا ہے۔

عبدالصمد اگرچہ اردو ناول کی جدید آواز ہیں مگر افسانوی میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ابتدا میں انھوں نے بچوں کے لیے ہلکی پھلکی کہانیاں لکھیں۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "بارہ رنگوں والا کمرہ" سے ہوا۔ بعد میں انھوں نے سیاسیات اور سماجیات کو موضوع بنایا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بالیدہ سیاسی اور سماجی شعور رکھنے والے تخلیق کار ہیں۔ انھوں نے سیاست میں ڈاکٹریٹ بھی کی ہوئی ہے، چوں کہ وہ ایک جدید افسانہ نگار ہیں اس لیے وہ جدیدیت کے تمام مسائل کو شامل کر کے لکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اقدار کی شکست و ریخت بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ وہ تہذیبی اقدار کی زوال پذیری پر نوحہ کناں نظر آنے والے افسانہ نگار ہیں۔ ساتھ ساتھ عرفان کے عوامل بھی شامل کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں احساسِ کم مائیگی بھی بھرپور انداز میں اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ لایعنیت کے خانوں میں بٹی ہوئی زندگی نے ان کے افسانوں کو ایک الگ انفرادیت کے ساتھ بے بسی اور لاچارگی جیسی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں "اپنی صلیب"، "اوس اور کرن"، "سمندر کیا کہتا ہے"، "نہیں"، "ایک اور ایک" جیسے افسانے ان کو جدید افسانہ نگاروں کی صف میں لا کھڑا کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کے ہاں زیریں سطح پر احتجاجی رویہ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "کش مکش اور کرداروں کے لمحہ لمحہ بدلتی سوچ کے تصادموں سے گزرتے ہوئے، افسانے کو ایک اینٹ مل جاتی ہے کو ملنی ہی تھی کہ نفسیات کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ افراد گروہ اور قومیں بہت دیر اور بہت دنوں تک انتہائی غم، بے حد کوشی اور برانگیختہ نہیں رہ سکتیں۔ یہ بات فرائڈ بھی مانتا ہے کہ اینٹ نفرتوں کی دیوار ڈھانے کا سبب بنتی ہے لیکن

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

اس میں شکست خوردگی اور غم کا پہلو پنہاں ہے۔ یہ اینٹ اس عمارت کی ہے جو
ہمارے لیے کیا تھی اور ان کے لیے بھی۔ ان کے لیے اس کی حیثیت نشانی اور یادگار کی ہو سکتی ہے
لیکن ہمارے لیے بھی اس کی اہمیت کم نہیں۔"(۶)

اوپر کے اقتباس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ عبدالصمد کے ہاں جدید عہد کے مسائل اور ان کے حل پر زور دیا گیا ہے۔ ان کے افسانے "سیاہ کاغذ کی دھجیاں" میں انسان کے چہرے پر بے چہرگی کے سائے نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حزن و یاس، خوف اور دہشت کے ماحول سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاں سیاہ رات کی تاریکی جیسی خصوصیات نے معاصر زندگی کی حشر ناکیاں دکھائی ہیں۔ اس افسانے میں خیال و خواب کی فضا بندی اور داخلیت نے اہم نقطے شامل کر دیئے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"کالونی کے لوگ اس مکان میں جانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس اصول کے پابند تھے
کہ نئے پڑوسی کو ہی پرانے پڑوسیوں سے اپنا تعارف کروانا چاہیئے۔ لیکن نئے لوگوں نے
شاید اس بارے میں کچھ سنا ہی نہ تھا۔ کتنے روز ہو گئے تھے انہیں آئے ہوئے لیکن اب
تک جاننے کی طرح ان کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ دن کو مکان کے بند
رہنے اور راتوں میں روشنی ، موسیقی اور جھنکار، اندھیرے میں گاڑیوں کے آنے
جانے والے اور نئے لوگوں کی پڑوسیوں کے ساتھ لاتعلقی نے دلوں میں یہ بات بٹھا
دی تھی کہ وہ کوئی اچھے لوگ نہیں ہیں اور یقیناً ان کے ہاں برے لوگوں کا آنا جانا ہے۔ لیکن بعض
یقین ایمان کی طرح جلدی دلوں میں گھر نہیں کرتا۔ وہ تجسس کی فضاؤں میں یوں
مسحور ہوئے تھے کہ اگر ان سے پوچھا جاتا کہ آج کل جہازوں کی سیر کر رہے ہیں تو ان کے پاس
کوئی جواب نہیں تھا۔ سب سے زیادہ فکر مند عورتیں کہ ان کے مرد آج کل یوں کھوئے کھوئے
رہتے کہ نہ کبھی انہیں دال میں نمک کم لگتا نہ سبزی میں مرچ کا پتا تھا کہ کالونی
میں باہر وقت گزارنے کی کوئی مشین نہیں لگی تھی۔ ان کے پاس کم کی کمی تھی اور وقت کی زیادتی
اس لیے لوگ ایک دوسرے کے وقت میں ہاتھ بٹا کر اپنا وقت گزارتے۔ ان کی
سوشل زندگی بڑی مکمل تھی لیکن تحقیق و جستجو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ
اب کم ایک دوسرے سے آنکھیں ملانے سے ڈرائے رکھتا، نئے لوگوں کے بارے میں
سبھوں کے دلوں میں ان گنت سولات تھے اور سب یہ سمجھتے تھے کہ دوسروں کے پاس
جوابات موجود ہیں لیکن زبان پر سوالات نہ آتے نہ جواب، عورتوں میں عجیب قسم کی
بے چینی پھیل رہی تھی۔۔۔۔

کالونی کے لوگوں کے درمیان ایک کمیٹی تھی جو شادی، موت اور دوسری سماجی
تقریبات میں ہاتھ بٹاتی۔ اس قانون میں یہ بات درج تھی کہ اگر ان کے
درمیان کوئی مصیبت آجائے یا کوئی جھگڑا ہو تو اسے دور کرنے کے لیے کمیٹی کی بیٹھک بلائی
جا سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہو گا کہ کالونی میں رہنے والے کم سے کم دس افراد ایسا
مطالبہ کریں۔ جب کمیٹی نے دفتر شادی اموات کی شکل اختیار کر لی تھی اور جھگڑے

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

فساد کی نوبت اس لیے اب تک نہیں آئی تھی کہ یہاں کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں آباد و شاد کام کرتے تھے۔ ان کے پاس جھگڑوں کے لیے وقت ہی نہیں تھا۔ وہ تو شروع سے ہی بڑے سمجھ دار اور دور اندیش تھے۔ مگر جب اس نئی صورتِ حال میں اندر کے سبھی ضابطے ناکام ہو گئے اور سرکاری قانون کے ابواب میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تو لوگوں کو یاد آیا کہ ابھی ان کی کمیٹی باقی ہے اور ابھی امید کا دامن ہاتھوں سے چھوڑنا غیر دانش مندی ہے۔ دس افراد کی دستخط سے ایک بیٹھک بلانے کی درخواست دے دی گئی جو ظاہر ہے منظور ہو گئی اور بیٹھک کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مقررہ تاریخ پر جب کمیٹی کی بیٹھک ہوئی تو اس میں بہت سے مخصوص افراد شریک تھے اور سب سے مشکل یہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی ایجنڈا ہی نہیں تھا جس پر وہ گفتگو کرتے۔"(۷)

اوپر کے اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبدالصمد کے ہاں موجودہ دور کے مسائل کی بھرپور نشان دہی ہوتی ہے۔ اس افسانے میں محکمہ آب پاشی کے ملازمین کی بے حسی اور نااتفاقی کے حوالے سے ایک فکر انگیز اور معنی خیز کہانی کا تار و پود بنا گیا ہے۔ آج کل کے حالات کی عکاسی کرتی ہوئی یہ کہانی ہمارے سرکاری اہل کاروں کی سستیوں اور بے اعتنائیوں کے پردے چاک کرتی ہے۔ کیوں کہ ہم بحیثیتِ قوم کوئی اجتماعی سوچ نہیں رکھتے اور وقت آنے پر کوئی مثبت قدم نہیں اٹھاتے۔ اس کالونی کے ملازمین کے سامنے بیسیوں مسائل تھے مگر ان کی انفرادی سوچ کوئی نہیں تھی۔ اس وجہ سے وہ ایک ایجنڈے پر متفق ہی نہ ہو سکے۔ اتنی تو ان کی بے حسی تھی حالانکہ یہ اہم مسئلہ تھا کہ کسی کو مکان کرائے پر دینے سے پہلے سوچنا چاہیے مگر وہاں کے لوگ نہیں سوچتے۔ پھر جب کرایہ پر لگا ہوا مکان پوری کالونی میں بدنام ہو جاتا ہے تو اس کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس مکان میں دن کو خاموشی ہوتی ہے اور رات ہوتے ہی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے جس سے یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ وہاں کوئی طوائف رہتی ہے۔ اس کے بعد کالونی کی خواتین کو اپنے بچوں اور شوہروں کی فکر پڑ جاتی ہے، مگر وہ لوگ اس طوائف کے حوالے سے کسی خاص نقطے پر متفق نہیں ہو پاتے اور وہ مسئلہ یوں ہی رہ جاتا ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"پڑوسی وہ ہیں جو اس مکان کے نئے باسی نہیں ہے۔ وہ نسان والے ہیں جن کے بارے میں ان کے ذہنوں میں ایک تصور ہے، ایک تصویر ہے، کو جو کچھ ایسی خوشگوار اہم نہیں یہ ہے کہ وہ ہے۔ ایک قابلِ غور نکتہ بھی ہے کہ یہاں نشانے پر کوئی فرد نہیں ہے اور فرد کو گروہ کی اکائی کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔"(۸)

عبدالصمد کے ہاں موجو عات کا دائرہ کار وسیع کینوس پر پھیلا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان کیے ہوئے مسائل قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں، وہ اکثر مختلف اور متضاد موضوعات کو یک جا کر کے قاری کے ذہن کو جملوں کے ظاہری اور باطنی معنوں سے باخبر کراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کی ہمدردیاں سمیٹ لیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں اخلاقیات واقدار کے حوالے سے بات ہوتی ہے، وہ نئی اور پرانی تہذیبوں کے ادغام کو اپنی کہانیوں میں بیان کرتے ہوئے موجودہ دور کے مسائل کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان کے افسانے "ایک مضبوط کھونٹا" سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

"حویلی کا زیادہ تر حصہ گر چکا تھا جو باقی تھا وہ بھی گرنے والا تھا۔ بس ایک بڑا ہال اور اس سے ملحق ایک کمرہ بچ رہا تھا۔ یہی کمرہ غالباً بڑے ابا اور بڑی اماں کا رہائشی کمرہ تھا، ہال میں اپنے روزمرہ کے اوقات گزارنے، کھانے کھاتے، نماز پڑھتے اور لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ اس کے ایک بڑے زمینی حصے میں ایک بوسیدہ ایرانی قالین کی اپنی کھردری زمین اپنی تمام تر ہئیتوں کے ساتھ نمایاں ہو گئی تھی۔ ہال میں دو جگہ فانوس بھی ٹنگے تھے جس کے زیادہ تر شیشے ٹوٹ چکے تھے۔ جو باقی بچے تھے وہ گرد و غبار اور دھول دھوئیں سے اٹے ہوئے تھے۔ یہ چیزیں اپنے آپ گر گئی تھیں۔ لیکن ان سے بڑے ابا کے ماضی کا تعارف ہو جاتا تھا۔۔ ماضی جو حال کا اٹوٹ حصہ اور حال ہی کا ایک مضبوط سلسلہ ہوتا ہے۔"(۹)

الغرض عبد الصمد کے افسانوں میں عصرِ حاضر کے مسائل کے حوالے سے احتجاجی رویہ ان کے افسانوں کو بالفاظ دگر بناتا ہے اور اس طرح وہ موجودہ دور کے نمایاں افسانہ نگاروں کی صف میں اپنی پہچان کراتے ہیں۔

Vol. 4 No. 6 (2026)

Journal of Social Signs Review

Online ISSN 3006-4651

Print ISSN 3006-466X

1.1 حوالہ جات

۱۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادب اردو (ابتدا سے ۲۰۰۰ء تک)، جلد سوم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۵۱۔۱۳۵۲

۲۔ اقبال حسن آزاد، گوشہ شموئل احمد، سہ ماہی نیا ورق، جلد ۹، شمارہ ۲۳، بمبئی ۲۰۰۶ء، ص ۳۷

۳۔ ظفر اقبال، احتجاج اور اردو افسانہ، (غیر مطبوعہ مقالہ)، یونیورسٹی آف بردوان مغربی بنگال، انڈیا، ۲۰۲۲ء، ص ۲۵۴

۴۔ محمد غالب نشتر، اور پھر بیان اپنا، مشمولہ غلوس کا گناہ دوسری کہانیاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، ص ۳۰

۵۔ شموئل احمد، ایڈس، نقاد پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ، ۲۰۰۲ء، ص ۳۱

۶۔ عابد سہیل، افسانیات، ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۲۱

۷۔ عبدالصمد، سیاہ کاغذ کی دھجیاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۷

۸۔ عابد سہیل، افسانیات، ص ۱۹۰۔۱۹۱

۹۔ وارث علوی، مضبوط کھونٹا، مشمولہ، آگ کے اندر راکھ، پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۳۲